نظم و نثر فارسی

فارسی لٹریچر میں ایشیائی مذاق کے موافق جو دستگاہ مرزا نے بہم پہنچائی تھی اور فارسی نظم اور فارسی نثر دونوں میں جو بلند پایہ اُنھوں نے حاصل کیا تھا۔ اُسکو اِس زمانے میں کما حقہ لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ جبکہ اُس زمانے میں جب بہت سے سخن سنج اور نکتہ پرور موجود تھے۔ مرزا ہمیشہ زمانے کی ناقدردانی کی شکایت کرتے تھے؛ تو اب کیا امید ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو اُنکی قدر جتائی جاسکے۔ ہمسے اگر کچھ ہوسکتا ہے تو صرف اِس قدر ہوسکتا ہے کہ اُنکے ہر قسم کے کلام میں سے کچھ کچھ بطور نمونے کے پبلک کے سامنے پیش کردیں؛ اور چونکہ فارسی زبان سے ملک میں عموماً اجنبیت ہوگئی ہے اِسلئے جہاں جہاں ضرورت دیکھیں مرزا کے کلام کی شرح بھی کرتے جائیں۔ اس سے شاید یہ فائدہ ہو کہ مرزا کی قوتِ متخیلہ میں جو غیر معمولی اُپچ اور پرواز قدرت نے ودیعت کی تھی۔ سمجھدار آدمی اُسکا کسی قدر اندازہ کرسکیں؛ لیکن زبان اور بیان کی خوبی جو ایک وجدانی چیز ہے اور جسکے نقاد اور جوہری ملک میں کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔ اُسکی نسبت صرف مرزا کا یہ فصیح و بلیغ شعر لکھدینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

بیا و رید گر ایں جا بود زباں دانے　　　غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

البتہ ایک مختصر گر مرزا کے متعلق بیان بتا دینا ضرور ہے جو اُنکا کلام دیکھتے وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

اگرچہ مرزا کو فارسی زبان میں (خواہ نظم ہو خواہ نثر) ہر قسم کے مضامین بیان کرنے پر ایسی ہی قدرت حاصل تھی جیسی کہ ایران کے ایک بڑے سے بڑے مشّاق و ماہر و مسلّم الثبوت اُستاد کو ہونی چاہیئے؛

لیکن جس طرح تمام ممتاز اور نامور شعراء میں خاص خاص مضامین کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی گئی ہے۔ اِسی طرح مرزا بھی اِس کلیہ سے مستثنےٰ نہ تھے۔ تصوف، حبِ اہلِ بیت، فخر، شوخی، ظرافت، رندی و بیباکی، بیانِ رنج و مصیبت و شکایت و زارنالی، اظہارِ محبت و ہمدردی، حُسنِ طلب؛ یہ چند میدان ایسے تھے جنکا بیان مرزا کے تمام اصنافِ سخن میں اکثر نہایت لطیف و ملیح و مرقّص واقع ہوا ہے۔ بیشک یہ بات اُنکے عشقیہ مضامین اور اخلاق و موعظت کے بیان میں عام طور پر نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ عشق و محبت اور تمام تعلقات و معاملاتِ عاشق و معشوق کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ محض تغزل سادگی اور بے تکلفی چاہتا ہے اور شاعرانہ صنعت سے۔ جسکو مرزا نے جابجا شاعری کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اِبا کرتا ہے۔ برخلاف اِسکے مرزا اصناف کلام میں اپنی مصطلح شاعری کا سررشتہ ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے (الاماشاءاللہ) اِسی لئے اُنکے عاشقانہ اشعار میں باوجود کمال جزالت اور متانت کے وہ گرمی اور تاثیر جو شعر کی جان اور غزل کا ایمان ہے عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ اخلاق و موعظت کا بیان بھی اِسی لئے موثر اور دلاویز نہیں ہے کہ وہ جب تک نہایت سادہ اور صاف اور شاعرانہ تکلّفات سے پاک نہو دلوں میں گھر نہیں کرسکتا، مگر اِس سے مرزا کی اُستادی میں کچھ فرق نہیں آتا جب سعدی کی رزم کی نسبت کہا جاتا تھا "کہ ایں شیوہ ختم است بر دیگراں" اور اُسکا قصیدہ بھی بہت پست سمجھا جاتا تھا۔ اور باایں ہمہ سعدی کی اُستادی کو سب نے تسلیم کیا۔ تو مرزا کے خاص قسم کے بیانات کی نسبت ایسا کہنے سے مرزا کی اُستادی میں کیونکر فرق آسکتا ہے۔ یہ میزان جو ہمنے مرزا کے کلام کی نسبت بتائی ہے اُسکو اُنکے کلیاتِ نظم و نثر میں جانچنا چاہیئے؛ نہ انتخابی اشعار میں جو اِس کتاب میں درج کئے گئے ہیں؛

مرزا کی فارسی شاعری اور فارسی انشا پردازی کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنھوں نے پچاس برس تک مرزا کو ایک ایسے فن کی تکمیل اور اُسمیں ترقی کرنے پر مستعد و سرگرم رکھا جسکا زمانے میں کوئی قدردان نہ تھا۔ اُنکے ممدوح زیادہ تر انگلش گورنمنٹ کے ارکان و اعیان تھے - جو فارسی زبان اور خاصکر فارسی شاعری سے محض اجنبی تھے، یا بادشاہ اور سلاطین و امرا و رؤسا تھے - جنکو مرزا کے فارسی قصیدے پڑھنے اور سمجھنے کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت۔ وہ شخص - جسکا قصیدہ انوری و خاقانی کے قصیدوں سے ٹکر کھائے، جسکی غزل عرفی و طالب کی غزل سے سبقت لیجائے، جو رباعی میں عمر خیام کی آواز میں آواز ملائے اور جس کی نثر کے آگے ابوالفضل اور ظہوری کی نثر پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوں - اُسکو بہادر شاہ کی سرکار سے صرف پچاس روپیہ ماہوار ملتا تھا؛ اور وہ بھی چھہ سات برس سے زیادہ نہیں ملا - گورنمنٹ کے ارکان و اعیان کی مدح کے جلدو میں مرزا کو اُس خلعت کے سوا کبھی کچھ نہیں مرحمت ہوا جو فوراً فروخت ہو کر سرکاری چپراسیوں کے انعام میں صرف ہو جاتا تھا۔

مرزا کے ماننے والے اور اُنکے فارسی کلام پر ایمان بالغیب رکھنے والے بلا شبہہ ملک میں بیشمار تھے؛ مگر ایسے خوش اعتقادوں کی کثرت اور اُنکی تحسین و آفرین سے شاعر کا دل ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس جبکہ ممدوحوں کی قدردانی کا وہ حال ہو؛ اور مادحین کی مدح سرائی کا یہ رنگ؛ تو پھر وہ کیا چیز تھی جسکو مرزا کی اصلی اور حقیقی ترقی کا باعث قرار دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ شاعر کے دل میں اصلی ترقی کا ولولہ نہ سلاطین و امرا کی داد و دہش سے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خوش اعتقاد شاگردوں اور ماننے والوں کی کثرت سے؛ بلکہ اُس کا دل بڑھانے والی صرف دو چیزیں ہیں - جو خواہی نخواہی اُسکو ترقی کرنے پر

مجبور کرتی ہیں؛ اوّلاً سبقِ استعداد اور فطری قابلیت جسکا اقتضا یہ ہے کہ اگر تمام عالم میں ایک قدردان یا مخاطب صحیح نہو تو بھی وہ اپنے جوہر ظاہر کئے بغیر نہیں رہتی۔ جس طرح مور خواہ ویرانے میں ہو اور خواہ آبادی میں اُسکو مستی اور نشاط کے عالم میں ناچنے سے گزیر نہیں اسی طرح وہ شاعر جو ماں کے پیٹ سے شاعر ہی پیدا ہوا ہے بغیر اِسکے کہ ملک میں کوئی اُسکی قدر کرے یا اُسکے کمال کی داد دے اپنے ہنر کی تکمیل میں ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اُس فطری ملکہ کا تحریک دینے والا اور اُس آگ کا پتھر سے نکالنے والا اِس بات کا یقین ہے کہ سوسائٹی میں کچھ لوگ فی الحقیقۃ سخن فہم و سخن سنج موجود ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چراغ مدت سے ٹمٹما رہا تھا اور فارسی شاعری کی عمر طبیعی اختتام کے قریب پہنچ چکی تھی؛ مگر حسنِ اتفاق سے اِس اخیر دَور میں چند صاحب فضل و کمال خاص دار الخلافہ دہلی میں ایسے پیدا ہو گئے تھے جو علم و فضل کے علاوہ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجے کا رکھتے تھے۔ اِن چند صاحبوں سے میری مراد مولانا فضل حق خیرآبادی ثم الدہلوی، مولانا مفتی محمد صدر الدین خاں متخلص بہ آزردہ، مولوی عبد اللہ خاں علوی، مولوی امام بخش صہبائی، حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں حسرتی، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر، سید غلام علی خاں وحشت وغیرہم ہیں۔ درحقیقت اِن لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا اُنکی شاعری کے حق میں بعینہ ایسا تھا جیسا عرفی و نظیری کے حق میں خانخاناں، ابوالفتح، فیضی، اور ابوالفضل کا اُنکے زمانے میں ہونا۔

اگرچہ اِن بزرگواروں میں بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو ظاہراً مرزا کی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے؛

لیکن چونکہ یہ سب لوگ سخن فہم اور سخن سنج تھے اس لئے جس طرح قدردانوں کی تحسین و آفرین سے مرزا کا دل بڑھتا تھا اسی طرح نکتہ چینیوں کے خیال سے انکو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا؛ اور انکے دل پر اپنا نقش بٹھانے کے لئے اظہار کمال میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی؛ اور اسطرح قدردان اور نکتہ چیں دونو انکی ترقی کے باعث تھے۔

مولانا فضل حق باایں ہمہ علم و فضل مرزا کو جس رتبے کا شاعر جانتے تھے اسکا اندازہ حکایت ذیل سے ہو سکتا ہے۔ لطیفہ مولانا کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ناصر علی سرہندی کے کسی شعر کے معنی مرزا صاحب سے جا کر پوچھے۔ انھوں نے کچھ معنی بیان کئے۔ اسنے وہاں سے آکر مولانا سے کہا "آپ مرزا صاحب کی سخن فہمی اور سخن سنجی کی اس قدر تعریف کیا کرتے ہیں، آج انھوں نے ایک شعر کے معنی بالکل غلط بیان کئے"؛ اور پھر وہ شعر پڑھا؛ اور جو کچھ مرزا نے اسکے معنی کہے تھے بیان کئے۔ مولانا نے فرمایا پھر ان معنوں میں کیا برائی ہے؟ اسنے کہا برائی تو کچھ ہو یا نہو مگر ناصر علی کا یہ مقصود نہیں ہے۔ مولانا نے کہا اگر ناصر علی نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو مرزا نے سمجھے ہیں تو اسنے سخت غلطی کی۔

مرزا نے ایک غزل کے مقطع میں اپنے تئیں کم از کم شیخ علی حزیں کا مثل قرار دیا ہے اور وہ مقطع یہ ہے۔

تو بدیں شیوۂ گفتار کہ داری غالب　　　گر ترقی نکنم شیخ علی رامانی

مومن خاں مرحوم نے جس وقت یہ مقطع سنا اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ اسمیں بالکل مبالغہ نہیں ہے۔ مرزا کو ہم کسی طرح علی حزیں سے کم نہیں سمجھتے۔

لطیفہ ایک صاحب نے جو مومن خاں مرحوم کی تعلیوں سے خوب واقف تھے یہ حکایت سنکر کہا کہ "مومن خاں نے

یہ اسلئے کہا کہ وہ اپنا رتبہ یقیناً شیخ علی حزیں سے برتر و بلند تر سمجھتے تھے ورنہ وہ ہرگز مرزا کو شیخ کے برابر تسلیم نہ کرتے"

نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ہمیشہ مرزا کو ظہوری و عرفی کا ہمپایہ کہا کرتے تھے اور صائب و کلیم وغیرہ سے ان کو بمراتب برتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ نواب ضیاءالدین خاں کا مرزا کی نسبت یہ قول تھا کہ ہندوستان میں فارسی شعر کی ابتدا ایک ترک لاچین (یعنی امیر خسروؒ) سے ہوئی اور ایک ترک ایبک (یعنی مرزا غالب) پر اسکا خاتمہ ہو گیا۔ سید غلام علی خاں وحشت مرزا کی نسبت کہتے تھے کہ اگر یہ شخص عربیّہ کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعر میں دوسرا متنبّی یا ابو تمام ہوتا؛ اور اگر انگریزی زبان کی تکمیل کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔

مولانا آزردہ بیشک مرزا کی طرز خاص کو جو انھوں نے ابتدا میں اختیار کی تھی ناپسند کرتے تھے؛ اور جو خیال کہ ابتدا میں مرزا کی نسبت مولانا کے خاطر نشین ہو گیا تھا وہ اخیر تک انکے دل میں کسی نہ کسی قدر باقی رہا۔ چنانچہ مرزا نے جو ایک فارسی قصیدہ مولانا ممدوح کی شان میں لکھا ہے اسمیں اس مضمون کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے کہ مولانا انکی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائب آلام و شکایت روزگار وغیرہ کا بیان ہے؛ اسکے بعد مدح کی طرف اس طرح گریز کرتے ہیں۔

باچنیں اندہ کہ بر گفتیم و دل خالی نشد　　　خواجہ گر اندہ گسار من نبودے - وائے من
آنکہ در یکتائی وے در فن فرزانگی　　　متفق گردیدہ رائے بوعلی با رائے من
آنکہ چوں خواہد بنامش نامہ نامی ساختن　　　برنگارد عقل فعالش "کرم فرمائے من"

دل بدیں وصفم نیاساید سخن کوتہ کنید   آنکہ ننگ اوست بودن ہمسخن ہمتاے من

یعنی بوعلی سینا کا ممدوح کی یکتائی پر میرے ساتھ اتفاق راے کرنا اور عقل فعال کا اسکو "دگر ہمتاے من،، لکھنا یہ سب باتیں اسکی مدح کے لئے کافی نہیں ہیں؛ مختصر یہ کہ وہ ایسا شخص ہے کہ شعر میں مجھ جیسے شخص کا ہمسر و ہمتا ہونا بھی اسکے واسطے موجب ننگ و عار ہے۔ اسمیں قطع نظر اسکے کہ ممدوح کی اور اس سے بھی زیادہ اپنی تعریف ایک نہایت لطیف پیرائے میں بیان کی ہے اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ ممدوح میری شاعری کو پسند نہیں کرتا۔

مرزا کی وفات سے چھ سات برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک روز نواب حسرتی کے مکان پر جبکہ راقم بھی وہاں موجود تھا۔ آزردہ اور غالب اور بعض اور مہمان جمع تھے؛ کھانے میں دیر تھی، فارسی دیوانِ غالب کے کچھ اوراق پڑے ہوئے مرزا کی نظر پڑ گئے۔ ان میں ایک غزل تھی جس کے مقطع میں اپنے منکروں کی طرف خطاب کیا تھا۔ اور جسکا مطلع یہ ہے۔

نشاطِ معنویاں از شرابخانۂ تست   فسونِ بابلیاں فصلے از فسانۂ تست

مرزا نے وہ اوراق اٹھا لئے اور مولانا آزردہ سے مزاح کے طور پر کہا "دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا زبردست غزل لکھی ہے،، یہ کہکر غزل پڑھنی شروع کی۔ اول کے دو تین شعروں کی مولانا نے تعریف کی؛ مگر پھر بعض قرائن سے سمجھ گئے کہ مرزا ہی کا کلام ہے۔ مسکرا کر جیسی کہ انکی عادت تھی کہنے لگے "کلام مربوط ہے مگر نوآموز کا کلام معلوم ہوتا ہے،، سب حاضرین ہنس پڑے۔ جب مقطع کی نوبت آئی - مرزا نے مولانا کی طرف خطاب کرکے دردناک آواز سے یہ مقطع پڑھا۔

تو اے کہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی   مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

اسوقت سب لوگ بہت متاثر ہوئے اور مولانا آزردہ شرما کر خاموش ہو رہے۔

صہبائی اور علوی بھی چونکہ مرزا بیدل کا تتبع کرتے تھے اور مرزا غالب نے اس طریقے کو بالکل چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ مرزا کو اور مرزا انکو کم مانتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ تمام گروہ سخن فہموں اور سخن سنجوں کا تھا اور مشاعروں میں اکثر ایک دوسرے سے مٹ بھیڑ ہوتی رہتی تھی- مرزا کو اپنے خیالات کی اصلاح اور اپنے اشعار کی تہذیب و تنقیح میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی اور یہی ان کی اصلی ترقی کی بنیاد تھی۔

غزل معلوم ہوتا ہی کہ مرزا نے فارسی غزل بھی اول مرزا بیدل ہی کی طرز میں کہنی شروع کی تھی چنانچہ اس قسم کی بہت سی غزلیں انکے دیوان میں اب تک موجود ہیں مگر رفتہ رفتہ یہ طرز بدلتی گئی اور آخر کار عرفی، ظہوری، نظیری، اور طالب آملی وغیرہ کی غزل کا رنگ مرزا کی غزل میں پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمے میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے "اگرچہ طبیعت ابتدا سے نادر اور برگزیدہ خیالات کی جویا تھی لیکن آزادہ روی کے سبب زیادہ تر ان لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو راہ صواب سے نابلد تھے۔ آخر جب ان لوگوں نے جو اس راہ میں پیشرو تھے- دیکھا کہ میں باوجودیکہ انکے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ بھٹکتا پھرتا ہوں؛ انکو میرے حال پر رحم آیا اور انھوں نے مجھ پر مربیانہ نگاہ ڈالی۔ شیخ علی حزیں نے مسکرا کر میری بے راہ روی مجھکو جتائی۔ طالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضب آلود نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اسکو فنا کر دیا۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی سے میرے بازو پر تعویذ اور میری کمر پر زاد راہ باندھا اور نظیری نے اپنی خاص روش پر چلنا مجھکو سکھایا۔ اب اس گروہ والاشکوہ کے فیض تربیت سے میرا کلک رقاص چال میں کبک ہے تو راگ میں ستعارۂ

جلوے میں طاؤس ہے تو پرواز میں عنقا"

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے، مگر اُنکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی غزل میں نہ صرف نظیری۔ بلکہ عرفی، ظہوری، طالب آملی، جلال اسیر اور اُنکے دیگر متبعین کی غزل کا رنگ علی العموم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے۔ کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ اُنکی غزل بلاشبہہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے لیکن طرز بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت نہیں معلوم ہوتی۔

"ناظم ہروی کی چند بیتیں مشہور ہیں۔ جن میں عنصری سے لیکر جامی تک ہر زمانے میں جو شاعر سرآوردہ ہوا ہے اُسکا نام لیا ہے۔ اُنکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کی ہے۔ چونکہ اصل مثنوی اور اسپر مرزا کا اضافہ فائدے اور لطف سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اُسکو یہاں نقل کرتے ہیں ناظم کہتا ہے۔

"شنیدم کہ در دورِ گاہِ کہن | شدہ عنصری شاہِ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی | بہ فردوسی آمد کلاہِ مہی
چو فردوسی آوردہ سر در کفن | بہ خاقانی آمد بساطِ سخن
چو خاقانی از دارِ فانی گذشت | نظامی بہ ملکِ سخن شاہ گشت
نظامی چو جامِ اجل در کشید | سرِ چترِ دانش بہ سعدی رسید
چو اورنگ سعدی فرو شد ز کار | سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار
ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید | ز جامی سخن را تمامی رسید"

اسکے بعد جو کمی ناظم کے بیان میں رہ گئی تھی اُسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے

"ز جامی بہ عرفی و طالب رسید | ز عرفی و طالب بہ غالب رسید"

اگرچہ مرزا نے بیدل اور اُنکے متبعین کی زبان اور اُنکے انداز بیان میں شعر کہنا بالکل ترک کر دیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہلِ زبان کے طریقے سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ مگر خیالات میں بیدلیت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے انتہا گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم اس مقام پر اُنکی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کرینگے جنکے بغیر مرزا کی طرزِ تخیل اور اُنکے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

انتخابِ غزلیاتِ فارسی

شاہدِ حسن ترا در روشِ دلبری | طرۂ پُر خم صفات موی میان ماسوا

یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہدانِ مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اُسکا طرۂ پُر خم کیا ہوگا؟ صفاتِ الٰہی۔ اور اُسکا موی میان کیا قرار پائیگا؟ ماسوی اللہ۔ شعرائے متصوفین صفاتِ الٰہی کو اکثر زلف و گیسو اور طرہ و کاکل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ ماسوے اللہ کو صوفیہ معدومِ محض جانتے ہیں اور معشوق کی کمر کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہدِ حسن حقیقی کی کمر ماسوے کو قرار دیا ہے۔

آب نہ بخشی بزور خون سکندر ہدر | جاں نہ پذیری بہیچ نقدِ خضر ناروا

ہدر یعنی حلال۔ مشہور ہے کہ سکندر آبِ حیواں کی تلاش میں گیا تھا مگر ناکام رہا۔ کہتا ہے کہ تو زورِ حکومت